بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

مدارسِ عربیہ کے لئے ایک لمحۂ فکر

از

(سعید احمد)

(۳)

علوم عربیہ کسی ایک علم کے نصابِ درسی پر غور کرتے وقت اصولاً تین چیزیں پیشِ نظر رکھنی چاہئیں۔

(۱) اس علم کی غرض وغایت کیا ہے؟

(۲) اس علم کی تعلیم کے لئے جو نصاب مقرر کیا گیا یا تجویز کیا جارہا ہے اس سے اس علم کی غرض وغایت کہاں تک حاصل ہو سکتی ہے۔

(۳) اس علم کے مقررہ نصاب کی تعلیم کا جو طریقہ رائج ہے اس سے اس علم کی غرض وغایت کے حصول میں کہاں تک مدد ملتی یا مل سکتی ہے۔

اب ان امورِ سہ گانہ کے معیار پر ہمارے موجودہ مدارس کے نصابِ علوم عربیہ کو جانچئے اور پرکھئے تو حقیقت خود بخود واضح ہو جائے گی۔

غرض وغایت علومِ عربیہ کی غرض وغایت یہ ہے کہ زبان عربی کا صحیح ذوق پیدا ہو۔ اس کا سمجھنا ایسا ہی آسان ہو جائے جیسا کہ کسی شخص کو اپنی مادری زبان کا ہوتا ہے۔ عام طور پر لکھتے ہیں کہ علومِ عربیہ کی غرض وغایت یہ ہے کہ عربی میں بولنے اور لکھنے کا سلیقہ پیدا ہو جائے، لیکن یہ تصویر کا صرف ایک رخ ہے اور وہ بھی ناتمام ادھورا اور نامکمل! بہت سے لوگ ہوتے ہیں جو کسی ایک زبان میں تحریر وتقریر کی اچھی استعداد رکھتے ہیں لیکن وہ زبان کے نکتہ داں اور اس کے

اسالیبِ بیان کی باریکیوں کے محرمِ اسرار نہیں ہوتے۔ مدارسِ عربیہ میں علومِ عربیہ کی تعلیم کا مقصد صرف ادبی یا لسانی نہیں ہوتا بلکہ دینی بھی ہوتا ہے اور چونکہ دین کا اصل سرچشمہ اور منبع قرآن مجید ہے اور وہ ظاہر ہے کہ فصاحت و بلاغت کے مرتبۂ اعجاز کی آخری کڑی ہونے کے باعث عربی زبان کا سب سے بڑا اور سب سے اعلیٰ شاہکار ہے اسی بناپر قرآن مجید سے حقیقی اور پائدار و مستقل استفادہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ عربی زبان کا ذوق صحابۂ کرام جیسا پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ حضرت الاستاذ مولانا سید محمد انور شاہ الکشمیری اکثر فرماتے تھے کہ جس طرح الفاظ میں ترادف اور معانی میں اشتراک نہیں ہے اور جن لوگوں نے اس کا دعویٰ کیا ہے وہ سرے سے وضع لغوی کی اصل حقیقت و ماہیت سے ہی واقف نہیں ہیں۔ اسی طرح ایک جملہ یا ایک فقرہ اور ایک عبارت کا اصل مطلب صرف ایک ہی ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے۔ ایک جملہ کے کئی کئی مطلب بیان کرنا۔ اس میں مختلف قسم کی تاویلیں کرنا "شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا" کا مصداق ہے۔

صرف ونحو | اب غور کیجئے علومِ عربیہ کی تعلیم کے لئے جو نصاب مقرر کیا گیا ہے اس سے یہ غرض و غایت کہاں تک حاصل ہو سکتی ہے؟۔

اس سلسلہ میں آغاز صرف ونحو سے ہوتا ہے۔ لیکن شروع میں ہی مبتدی کے ذہن و دماغ پر اتنا دباؤ ڈال دیا جاتا ہے کہ وہ گھبرا جاتا ہے اور گم شدہ و حیران ہو کر رہ جاتا ہے۔ کسی زبان کو پڑھانے کا طبعی طریقہ یہ ہے کہ اس زبان کے صرف ونحو کی تعلیم سے قبل طالب علم کو کسی حد تک اس زبان سے آشنا اور مانوس کیا جائے اور پھر ایک ہی قاعدہ کی مختلف مثالیں دے کر طالب علم کے ذہن میں استفسار و تجسس پیدا کیا جائے اور اس کے بعد اسی استفسار کے مطابق اس کو قواعد کی تعلیم دی جائے۔ آج کل کی اصطلاح میں اس کو Direct Method یعنی طریقہ راست کہتے ہیں۔ اس کے لئے ضرورت ہے کہ پہلے مبتدی کو بہت سے مفرد الفاظ مع ان کے معانی کے یاد کرا دئے جائیں۔ یہ الفاظ

اسما۔ افعال اور حروف پر مشتمل ہونے چاہئیں اس کے بعد آسان جملے ایک ہی قسم کے بنا کر اس کے سامنے پیش کئے جائیں۔ اب طالب علم کے ذہن میں خود بخود سوال پیدا ہوگا کہ فلاں لفظ کی حالت ان تمام جملوں میں یکساں کیوں رہتی ہے؟ تو اب استاد کے لئے موقع ہوگا کہ وہ بتاتے کہ مثلاً فلاں لفظ چونکہ فاعل واقع ہو رہا ہے اس لئے وہ مرفوع ہے اور چوں کہ فاعل ان سب جملوں میں مذکر غائب ہے اس لئے اس کے لئے مختلف جملوں میں جتنے بھی فعل آئے ہیں وہ سب اپنا ایک مخصوص وزن رکھتے ہیں۔ مثلاً فعل کے وزن پر ہیں، اسی طرح ہونا یہ چاہئیے کہ زبانِ عربی سے کسی قدر مانوس اور آشنا کرنے کے بعد صرف اور نحو کی تعلیم ایک ساتھ دی جائے اور وہ بھی اسی طرح کہ پہلے طالب علم کے ذہن میں استفسار پیدا کر دیا اور اس کے بعد اس کا جواب بتا دیا۔ علاوہ بریں ابتدائی تعلیم صرف زبانی ہونی چاہئیے اور اس کی مدد کے لئے بلیک بورڈ کا استعمال کرنا چاہئیے، بالکل شروع میں میزان و منشعب کا درس دینا نہایت غلط اور ناصواب طریقہ ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وقت زیادہ صرف ہوتا ہے۔ ذہن پر غیر معمولی دباؤ پڑتا ہے اور اس کا حاصل معلوم! غور کیجئے! رباعی مجرد رباعی مزید فیہ۔ خماسی مجرد اور خماسی مزید فیہ کے ابواب و صیغ سے ایک طالب علم کو کتنا واسطہ پڑتا ہے؟ یہ اوزان نادر ہیں قلیل الاستعمال ہیں اور بہت کم لفظ ہیں جو ان ابواب میں استعمال ہوتے ہوں، لیکن اس کے باوجود مدارس کے مبتدی طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ ان سب ابواب کو مع ان کے صیغوں کے بر نوک زبان یاد کرے۔

- قواعد زبان کے لئے ہوتے ہیں اور زبان سے بنائے جاتے ہیں، لیکن ہمارے ہاں جو طریقہ رائج ہے اس نے قواعد کو اصل اور زبان کو ان کے تابع بنا دیا ہے۔

علاوہ بریں ایک ہی مضمون کو بار بار مختلف کتابوں کے ذریعہ پڑھانا اس قدر مفید نہیں ہے جتنا کہ اس مضمون کو اس طرح پڑھانا ہے کہ مضمون طالب علم کے بالکل ذہن نشین ہو جائے اور اس کا دماغ اس کو علیٰ وجہ البصیرت قبول کرلے اور یہ صورت اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب کہ قواعد کی تمرین و مشق طرح طرح کی مثالوں کے ذریعہ کرائی جائے۔ موجودہ نصاب اور

اس کے طریق تعلیم میں بڑا نقص یہ ہے کہ قواعد کے افہام و تفہیم کے لئے جو کتابیں تجویز شدہ ہیں ان کی عبارتیں چیستاں، صاف اور رواں نہیں ہیں ان میں اغلاق اور پیچیدگی ہے اور پھر لے دے کی جو مثالیں دی جاتی ہیں وہ گنی چنی ہیں۔ مصر نے اس سلسلہ میں بڑے کامیاب تجربے کئے ہیں ان سے استفادہ نہ کرنا اور اسی پرانی لکیر کے فقیر بنے رہنا عہد حاضر کی عظیم الشان تعلیمی ترقیات و کامیاب تجربات کا مذاق اڑانا ہے۔

عربی ادب | صرف و نحو کے بعد عربی ادب کی باری آتی ہے اس سلسلہ میں نظم کی کتابیں مثلاً سبعہ معلقہ، متنبی اور حماسہ معیاری کتابیں ضرور ہیں لیکن ضرورت ہے کہ سہل سے مشکل کی طرف کے اصول کے مطابق اس میں بھی ترمیم اور اصلاح کی جائے "سبعہ معلقہ کا پہلا اور دوسرا اور تیسرا قصیدہ بہ نسبت باقی قصیدوں کے زیادہ مشکل ہیں اگر پڑھانے میں ان کی ترتیب بدل دی جائے تو شاید زیادہ فائدہ ہو بہر حال جہاں تک نثر کی کتابوں کا تعلق ہے ان کو یکقلم بدل دینے کی ضرورت ہے کسی زبان کا ادبی ذوق مقامات حریری جیسی کتابوں سے نہیں پیدا ہوتا جس میں صرف لفاظی، صنائع بدائع کی بھرمار اور نہایت پرتکلف عبارت آرائی ہے اس کے علاوہ مضمون و معنی کے اعتبار سے یہ کتاب ہرگز اس لائق نہیں ہے کہ ملتِ بیضا کے نوجوان اس کو پڑھیں، مکر و فریب، دجل و دسیسہ کاری۔ بہروپیہ پن کے واقعات کے سوا اس میں اور کیا ہے جس کو پڑھ کر طالب علم کے اخلاق پر اچھا اثر پڑے آج نہج البلاغۃ، رسائل ابو العلا، معری کتاب الآداب، لجعفر بن شمس الخلافۃ مجد الملک۔ النظرات، العبرات، رسائل جاحظ جیسی سینکڑوں کتابیں موجود ہیں جو زبان و انشاء کے شاہ کار بھی ہیں اور جن سے مختلف قسم کی علمی، ادبی، لسانی، تاریخی اور اخلاقی معلومات و فوائد بھی حاصل ہو سکتے ہیں، اور اگر کسی کتاب کو تمام ضرورتوں کی تکمیل کے لئے کافی و وافی نہ سمجھا جائے تو بہتر سے بہتر انتخاب بھی علامہ ابن خلدون کے چار ارکان ادب سے ہو سکتا ہے۔

عربی ادب کی تعلیم کے سلسلہ میں ایک بڑا نقص مدارسِ عربیہ کے نصاب میں یہ ہے

کہ صرف نثر اور نظم کی چند کتابیں پڑھانے پر اکتفا کر لیا جاتا ہے۔ حالانکہ کسی زبان کے ادب سے متعارف ہونے کے لئے تاریخِ ادبیات، زبان کا عہد بعہد ارتقا، اس کے مختلف اسالیبِ بیان۔ ہر دور کے اسلوب کی خصوصیات۔ مختلف ادوار کے شاعروں کا اور خود ایک ہی دور کے دو متقابل شعرا کا تقابلی مطالعہ۔ جس قوم کی زبان ہے۔ اس قوم کی تاریخ۔ اس کے معتقدات عادات واطوار، رسم ورواج۔ اس کے سماجی اور معاشرتی حالات۔ اس زبان پر آس پاس کی زبانوں کے اثرات۔ تمدنی اور تہذیبی جذب وانجذاب۔ ان سب چیزوں کا معلوم کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ جس طرح تاریخِ ادب کا علم ضروری ہے اسی طرح عربی کی فیلالوجی کا جاننا بھی ضروری ہے اس سے صرف عربی ادب کے سمجھنے میں مدد نہیں ملے گی۔ بلکہ خود قرآن مجید کے فہم اور اس کے مطالب ومعانی کے علیٰ وجہ البصیرت ادراک میں بھی بڑی سہولت پیدا ہو جائے گی۔

آج اگر کسی سے کہئے کہ قرآن مجید میں بعض الفاظ ایسے بھی ہیں جو خالص عربی النسل نہیں ہیں تو وہ شاید حیرت سے آپ کا منہ تکنے لگے گا لیکن واقعہ یہی ہے کہ ایسے الفاظ موجود ہیں اور علامہ جلال الدین سیوطی نے "المزہر" میں اور پروفیسر حتی نے اپنی تاریخ عرب میں ان کی فہرست بھی دی ہے۔ تو اب لامحالہ ہم کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ الفاظ اس زمانہ کے عربوں میں کس تقریب سے رائج ہوئے اصل زبان میں ان کے معنی کیا تھے اور عربی میں دخیل ہو کر ان سے کیا مراد لی جاتی تھی۔ اس سے دوسری قوموں کے ساتھ عربوں کے تمدنی وتہذیبی تعلقات پر روشنی پڑے گی۔ اور اس سے خود قرآن مجید کے سمجھنے میں مدد ملے گی۔

حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا تھا "الشعر دیوان العرب"، لیکن ہمارے طلبا عربی شعر کا مطالعہ اس طرح کرتے ہیں کہ چند شاعروں کے نام کے علاوہ انھیں اور کچھ معلوم نہیں ہوتا

علم معانی وبیان اس علم کی غرض وغایت یہ ہے کہ کلام کے محاسن ومعائب مختلف اسالیبِ بیان کے مدارج ومراتب۔ اور اس کے وجوہ کا علم ہو۔ اس فن کی تعلیم کے لئے متن میں تلخیص المفتاح اور شروح میں مختصر المعانی اور مطول کا درس دیا جاتا ہے۔ جہاں تک

تلخیص اور مختصر المعانی کا تعلق ہے اس میں شبہ نہیں کہ دونوں کتابیں بہت مفید اور عمدہ ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ان کتابوں سے قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت اور اس کے مرتبہ اعجاز کے سمجھنے اور ان سے لطف اندوز ہونے میں کتنی مدد ملتی ہے؟ اصل یہ ہے کہ فصاحت و بلاغت معانی و بیان کے جو اصول و آداب ہیں ان کو علم العروض کی طرح عربوں کے عام کلام کو سامنے رکھ کر وضع۔ مرتب اور مدون کیا گیا ہے اور پھر ان اصول کی روشنی میں قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کو پرکھا اور جانچا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ فصاحت و بلاغت کی مزعومہ تعریف کی روشنی میں قرآن مجید کے بعض الفاظ "اداعهد" فصاحت سے خارج قرار پاتے ہیں تو اب دور از کار تاویل و توجیہ کے دامن میں پناہ لینی پڑتی ہے حالانکہ دراصل ہونا یہ چاہیے تھا کہ چوں کہ قرآن مجید فصاحت و بلاغت کی اعلیٰ ترین مثال اور عربی زبان کا سب سے بڑا شاہ کار ہے اس بنا پر فصاحت و بلاغت اور معانی و بیان کے اصول خود قرآن مجید سے مستنبط کیے جاتے، گویا فصاحت و بلاغت کا معیار اور کسوٹی کلام عرب کو بنانے کے بجائے خود قرآن کو بنانا چاہیے تھا اس کا فائدہ جہاں ادبی، علمی اور تنقیدی ہوتا۔ دینی اور روحانی بھی ہوتا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا ہے "الیوم اخو الموت" بظاہر یہ تین لفظوں کا مرکب ایک چھوٹا سا جملہ ہے لیکن اس کی بلاغت کا یہ عالم ہے کہ حضرتنا الاستاذ الکشمیریؒ فرماتے تھے اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی کوئی اور دلیل میرے سامنے نہ بھی ہوتی اور صرف آپ کا یہ ارشاد ہوتا تو بے شبہ میں اسی کو سن کر آپ کی نبوت پر ایمان لے آتا۔ قرآن مجید کی آیت آیت ایک ایک فقرہ اور جملہ چمن زار فصاحت و بلاغت اور گل کدۂ اعجازِ معانی ہے پھر ہم میں کتنے ہیں جو اسے پڑھ کر سر دھنتے ہوں اور جن پر اس کی تلاوت کرتے وقت وجد و کیف کا ایک عالم طاری ہو جاتا ہو۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور دوسرے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نسبت روایات ملتی ہیں کہ چھوٹی چھوٹی سورتوں کے ختم کرنے میں ہی ان کو ہفتوں اور مہینے لگ جاتے تھے! تو کیا یہ روایات محض افسانے اور طلسم ہوش ربا قسم کی داستانیں ہیں؟ نہیں بلکہ حق یہ ہے

کہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے وقت ان بزرگوں کا حال یہ ہوتا تھا کہ

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جا ست

الفاظ کی سحر آفرینی اور اس کی غیر معمولی طاقت و قوت ایک مسلمہ حقیقت ہے جو کام بعض اوقات بڑی بڑی فوجیں اور عظیم لشکر نہیں کر سکتے وہ دو چار فقرے کر جاتے ہیں۔ جہاں تک عرب جیسی ضدی۔ درشت مزاج اور ان گھڑ قوم کے یک بیک پلٹ جانے اور سر تا سر منقلب ہو جانے کا تعلق ہے تو کون کہہ سکتا ہے اسلام کی تعلیمات حقہ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے علاوہ اس میں خود قرآن مجید کے اعجازِ بیان و اسلوبِ ادا کو بڑا دخل نہیں ہے

پس اگر ہمارے علم معانی و بیان پڑھنے اور اس میں کئی سال صرف کرنے کا نتیجہ یہ نہیں ہوتا کہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے وقت ہم کو اس میں غیر معمولی حظ آئے اور اس کی حقیقی عظمت سے ہمارے دل و دماغ دونوں متاثر ہوں تو ظاہر ہے کہ پھر اس پڑھنے پڑھانے کا فائدہ بھی کیا ہوا؟

اس سلسلہ میں مولانا حمید الدین فراہی کی کتاب جمہرۃ البلاغۃ۔ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ جس میں قرآن مجید کو کسوٹی بنا کر بلاغت کے اصول و قواعد سے بحث کی گئی ہے، ضرورت ہے کہ مدارسِ عربیہ اس کی طرف توجہ کریں اس کے علاوہ امام رازی کی نہایۃ الایجاز۔ علاّ باقلانی کی "اعجاز القرآن" اور جعفر بن قدامہ کی "نقد النثر" تفسیر روح المعانی کی اور تفسیر کشاف کی حسبۃ حسبۃ ادبی اور بلاغت سے متعلق بحثیں یہ سب اس لایق ہیں کہ علم معانی و بیان کا طالب علم ان سے استفادہ کرے اور باقاعدہ ان مضامین کا اس کو درس دیا جائے۔

اس سلسلہ میں سب سے بڑی قباحت اور دشواری یہ ہے کہ چونکہ مدارس میں تعلیم کا طریقہ بجائے فنی کے کتابی ہوتا ہے اور اس بنا پر استاد اور طالب علم دونوں کی توجہ کتاب کو سمجھنے اور اس کی چیستانوں کے حل کرنے پر مرکوز رہتی ہے اس لئے طالب علم کو فن سے متعلق نہ وسیع معلومات حاصل ہوتی ہیں اور نہ اس کو اس میں بصیرت پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً ایک سال پورا مختصر المعانی اور دوسرا ایک سال مطول کی نذر ہو جاتا ہے اب ظاہر ہے کہ صرف

تو ہوئے دو سال مگر حاصل صرف یہ نکلا کہ طالب علم نے سوا کتاب (مختصر پوری اور مطول ۱/۲) پڑھی، اس کے برخلاف اگر متن پڑھانے کے بعد معانی و بیان کے مباحث پر لکچروں کا انتظام کیا جائے، جیسا کہ کالجوں کی اونچی کلاسوں میں ہوتا ہے تو طالب علم کو فن پر عبور بھی حاصل ہوگا اور اس کی معلومات بھی وسیع ہوں گی۔

تنقید | تنقید آج کی دنیا کا نہایت ترقی یافتہ فن ہے لیکن اس فن میں عربوں کے جو کارنامے ہیں اور انھوں نے کسی کلام کے حسن و قبح کو پرکھنے اور جانچنے کے لئے جو اصول و ضوابط مدون کئے ہیں وہ آج بھی مغربی اصولِ تنقید کے ساتھ دم فخر و مباہات مارنے کے لئے کافی ہیں کسی کلام یا کلمہ کے حسن و قبح کا کوئی مخفی اور ظاہر اونچا اور اعلیٰ پہلو ایسا نہیں ہے جس پر عربوں نے دادِ تحقیق نہ دی ہو اور جس پر کمال ژرف بینی سے بحث نہ کی ہو۔ عربی ادب کی ضخیم مجلدات میں جا بجا یہ بحثیں بکھری پڑی ہیں ان کے علاوہ ابن رشیق۔ ابو منصور ثعالبی۔ اور ابن قدامہ وغیرہم نے اسی موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں جو خوش قسمتی سے آج کل ملتی ہیں لیکن افسوس ہے کہ عربی ادب کی تعلیم کے سلسلہ میں اس فنِ تنقید کا مدارسِ عربیہ میں کہیں گذر نہیں ہے۔

جدید عربی ادب | اگر آپ کسی زبان اور اس کے ادب کے فارغ التحصیل ہیں اس کے فاضل کہلاتے ہیں۔ لیکن خود آپ کے زمانہ کا جو اس زبان کا ادب ہے آپ نہ تو اس سے واقف ہیں اور نہ اس زبان میں اہلِ زبان کے ساتھ بات چیت کر سکتے اور نہ اپنے خیالات کا اظہار کر سکتے ہیں تو یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ آپ ایک تاریخی عمارت کو دیکھنے جائیں اور صرف اس کے عہد قدیم کے در و دیوار دیکھ کر واپس چلے آئیں اور اس میں عہد بعہد جو ترقیات ہوئی ہیں ان کی طرف کوئی اعتنا نہ کریں، مصر اور بعض اور ممالک عرب میں حال ہی میں جو ادبی۔ شعر اور نثر میں عظیم الشان ترقیات ہوئی ہیں۔ ضروری ہے کہ عربی ادب کا طالب علم ان سے واقف ہو۔ تاکہ اس طرح ان ممالک کے ساتھ کلچرل تعلقات کے قائم رکھنے اور ان کو ترقی دینے میں بھی مدد ملے اور آپ کو یہ بھی معلوم رہے کہ آج قرآن مجید

کی زبانِ عربی موجودہ دنیا کی اعلیٰ ترقی یافتہ زبانوں کے دوش بدوش کس طرح چل رہی ہے، بین الاقوامی معاملات میں اس زبان کا کیا عمل دخل اور نفوذ واثر ہے اور اس نے اپنے ادب کے ذریعہ دوسری قوموں کے خیالات وافکار پر کیا اثرات کئے ہیں، جدید عربی زبان وادب کا مطالعہ نہ صرف علمی۔ اور تمدنی حیثیت سے ضروری ہے بلکہ سیاسی اور سماجی حیثیت سے بھی ضروری ہے۔ چنانچہ شاید آپ کو معلوم ہو آج امریکا۔ کناڈا اور یورپ کے چھوٹے بڑے ملک عہدِ حاضر کے عربی ادب سے خاص طور پر دلچسپی لے رہے ہیں۔ اور اسی موضوع پر ریسرچ کرنے کے لئے طلباء کو گراں قدر وظائف دے کر ادھر اُدھر بھیج رہے ہیں!

(باقی آئندہ)

تفسیر مظہری (عربی)

کلام الٰہی کی بہترین تفسیر

علماءٓ طلباءٓ اور عربی مدرسوں کے لئے شاندار تحفہ

مختلف خصوصیتوں کے لحاظ سے تفسیر مظہری تفسیر کی تمام کتابوں میں بہترین سمجھی گئی ہے بلکہ بعض حیثیتوں سے اپنی مثال نہیں رکھتی یہ حقیقت ہے کہ اس عظیم الشان تفسیر کے بعد کسی تفسیر کی ضرورت نہیں رہتی، امام وقت قاضی ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کمالاتِ علمی کا عجیب و غریب نمونہ ہے۔

اس بے مثال کتاب کا پورے ملک میں ایک نسخہ ملنا بھی دشوار تھا، شکر ہے کہ برسوں کی جد و جہد کے بعد آج ہم اس لائق ہیں کہ اس متبرک کتاب کے شایع ہونے کا اعلان کرسکیں، تقریباً تمام جلدیں زیور طبع سے آراستہ ہوچکی ہیں صرف آخری جلد جس میں دو پاروں کی تفسیر ہے زیر طبع ہے۔

ہدیہ غیر مجلد:۔ جلد اول سات روپے۔ جلد ثانی سات روپے۔ جلد ثالث آٹھ روپے۔ جلد رابع پانچ روپے۔ جلد سادس آٹھ روپے۔ جلد سابع آٹھ روپے۔ جلد ثامن آٹھ روپے۔ جلد تاسع پانچ روپے۔ جلد عاشر زیر طبع۔ ہدیہ کل جلد ترسیٹھ...